مندرجہ اشعار کے ذریعے مخالفوں پر اپنے صدق

کی حجّتِ تمام

نقل کردہ از خاکسار

جناب حضرت مولانا عبد الرحمٰن مصری صاحب

افسر

شعبہ دعوت و ارشاد

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

بار اوّل مارچ ۱۹۷۸ء　　قادر پرنٹنگ پریس لاہور　　تعداد : ایک ہزار

www.aaiil.org

مخالفین کے ناروا سلوک کے مقابلہ میں تائیداتِ الٰہیہ اور اپنے دعاوی کی صداقت پر دلائلِ قویہ

اے خدا اے کارساز و عیب پوش و کردگار
اے مرے پیارے مرے محسن مرے پروردگار

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس
وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

بدگمانوں سے بچایا مجھ کو خود بن کر گواہ!
کر دیا دشمن کو اک حملہ سے مغلوب اور خوار

کام جو کرتے ہیں تیری رہ میں پاتے ہیں جزا
مجھ سے کیا دیکھا کہ یہ لطف و کرم ہے بار بار

تیرے کاموں سے مجھے حیرت ہے اے میرے کریم
کس عمل پر مجھ کو دی ہے خلعتِ قرب و جوار

کرمِ خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں،
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند
ورنہ درگہ میں تری کچھ کم نہ تھے خدمت گذار

دوستی کا دم جو بھرتے تھے وہ سب دشمن ہوئے
پر نہ چھوڑا ساتھ تو نے اے مرے حاجت برار

اے مرے یارِ یگانہ اے مری جاں کی پناہ
بس ہے تو میرے لئے مجھ کو نہیں تجھ بن بکار

میں تو مر کر خاک ہوتا گر نہ ہوتا تیرا لطف
پھر خدا جانے کہاں یہ پھینک دی جاتی غبار

اے فدا ہو تیری رہ میں میرا جسم و جان و دل
میں نہیں پاتا کہ تجھ سا کوئی کرتا ہو پیار

ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا میں مثلِ طفلِ شیرخوار

نسلِ انساں میں نہیں دیکھی وفا جو تجھ میں ہے
تیرے بن دیکھا نہیں کوئی بھی یارِ غمگسار

لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول
میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگہ میں بار

اسقدر مجھ پر ہوئیں تیری عنایات و کرم
جن کا مشکل ہے کہ تا روزِ قیامت ہو شمار

آسماں میرے لئے تو نے بنایا اک گواہ
چاند اور سورج ہوئے میرے لئے تاریک و تار

تُو نے طاعوں کو بھی بھیجا میری نصرت کیلئے / تا وہ پورے ہوں نشاں جو ہیں سچائی کا مدار
ہو گئے بیکار سب حیلے جب آئی وہ بلا / ساری تدبیروں کا خاکہ اُڑ گیا مثلِ غبار
سرزمینِ ہند میں ایسی ہی شہرت مجھکو دی / جیسے ہووے برق کا اک دم میں ہر جا انتشار
پھر دوبارہ ہے اُتارا تُو نے آدم کو یہاں / تا وہ نخلِ راستی اِس ملک میں لاوے ثمار
لوگ سو بک بک کریں پر تیرے مقصد اور ہیں / تیری باتوں کے فرشتے بھی نہیں ہیں رازدار
ہاتھ میں تیرے ہے ہر خسران و نفع و عُسر و یُسر / تو ہی کرتا ہے کسی کو بینوا یا بختیار
جس کو چاہے تختِ شاہی پر بٹھا دیتا ہے تو / جس کو چاہے تخت سے گرا دے کر کے خوار
میں بھی ہوں تیرے نشانوں سے جہاں میں اک نشاں / جس کو تو نے کر دیا ہے قوم و دیں کا افتخار
فاجروں کی جاہ و حشمت پہ بلا آوے ہزار / سلطنت تیری ہے جو رہتی ہے دائم برقرار
عزت و ذلت یہ تیرے حکم پر موقوف ہیں / تیرے فرماں سے خزاں آتی ہے اور بادِ بہار
میرے جیسے کو جہاں میں تو نے روشن کر دیا / کون جانے اے مرے مالک ترے بھیدوں کی سار
تیرے اے میرے مربی کیا عجائب کام ہیں / گرچہ بھاگیں جبر سے دیتا ہے قسمت کے ثمار
ابتدا سے گوشۂ خلوت رہا مجھ کو پسند / شہرتوں سے مجھ کو نفرت تھی ہر اک عظمت سے عار
پر مجھے تو نے ہی اپنے ہاتھ سے ظاہر کیا / میں نے کب مانگا تھا یہ تیرا ہی ہے سب برگ و بار
اِس میں میرا جرم کیا جب مجھکو یہ فرماں ملا / کون ہوں تا رد کروں حکمِ شہِ ذی الاقتدار
اب تو جو فرماں ملا اُس کا ادا کرنا ہے کام / گرچہ میں ہوں بس ضعیف و ناتواں و دلفگار
دعوتِ ہر ہرزہ گو کچھ خدمتِ آساں نہیں / ہر قدم میں کوہِ ماراں ہر گذر میں دشتِ خار
چرخ تک پہنچے ہیں میرے نعرہ ہائے روز و شب / پر نہیں پہنچی دلوں تک جاہلوں کے یہ پکار
قبضۂ تقدیر میں دل ہیں اگر چاہے خدا / پھیر دے میری طرف آ جائیں پھر بے اختیار
گر کرے معجزہ نمائی ایک دم میں نرم ہو / وہ دلِ سنگیں جو ہووے مثلِ سنگِ کوہسار
ہائے میری قوم نے تکذیب کر کے کیا لیا / زلزلوں سے ہو گئے صدہا مساکن مثلِ غار

شرط تقوی نے کہ تھی کہ وہ کرتے نظر اسوقت پر
شرط یہ بھی تھی کہ کرتے صبر اور کچھ دن قرار

کیا وہ سارے مرحلے طے کر چکے تھے علم کے
کیا نہ تھی آنکھوں کے آگے کوئی رہ تاریک و تار

دل میں جو ارماں تھے وہ دل میں ہمارے رہ گئے
دشمنِ جاں بن گئے جن پر نظر تھی بار بار

ایسے کچھ بگڑے کہ اب بنتا نظر آتا نہیں
آہ کیا سمجھے تھے ہم اور کیا ہوا ہے آشکار

کس کے آگے ہم کہیں اس دردِ دل کا ماجرا
ان کو ہے ملنے سے نفرت بات سننا درکنار

کیا کروں کیونکر کروں میں اپنی جاں زیر و زبر
کس طرح میری طرف دیکھیں جو رکھتے ہیں نقار

اسقدر ظاہر ہوئے ہیں فضلِ حق سے معجزات
دیکھنے سے جن کے شیطاں بھی ہوا ہے دلفگار

پر نہیں اکثر مخالف لوگوں کو شرم و حیا
دیکھ کر سو سو نشاں پھر بھی ہے توہیں کا شعار

صاف دل کو کثرتِ اعجاز کی حاجت نہیں
اک نشاں کافی ہے گر دل میں ہے خوفِ کردگار

دن چڑھا ہے دشمنانِ دیں کا ہم پر رات ہے
اے مرے سورج نکل باہر کہ میں ہوں بیقرار

اے مرے پیارے فدا ہو تجھ پہ ہر ذرّہ مرا
پھیر دے میری طرف اے سارباں جگ کی مہار

کچھ خبر لے تیرے کوچہ میں یہ کس کا شور ہے
خاک میں ہوگا یہ سر گر تو نہ آیا بن کے یار

فضل کے ہاتھوں سے اب اسوقت کر میری مدد
کشتیٔ اسلام تا ہو جائے اس طوفاں سے پار

میرے سقم و عیب سے اب کیجیئے قطعِ نظر
تا نہ خوش ہو دشمنِ دیں جس پہ ہے لعنت کی مار

میرے زخموں پر لگا مرہم کہ میں رنجور ہوں
میری فریادوں کو سن میں ہو گیا زار و نزار

دیکھ سکتا ہی نہیں میں ضعفِ دینِ مصطفےٰ
مجھ کو کر اے میرے سلطاں کامیاب و کامگار

کیا سلائے گا مجھے تو خاک میں قبل از مراد
یہ تو تیرے پر نہیں امید اے میرے حصار

یا الٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا
اس شکستہ ناؤ کے بندوں کی اب سن لے پکار

قوم میں فسق و فجور و معصیت کا زور ہے
چھا رہا ہے ابرِ یاس اور رات ہے تاریک و تار

ایک عالم مر گیا ہے تیرے پانی کے بغیر
پھیر دے اب میرے مولیٰ اس طرف دریا کی دھار

اب نہیں ہیں ہوش اپنے ان مصائب میں بجا
رحم کر بندوں پہ اپنے تا وہ ہوویں رستگار

کس طرح پھیلیں کوئی تدبیر کچھ بنتی نہیں
بے طرح پھیلی ہیں یہ آفات ہر سُو ہر کنار

ڈوبنے کو ہے یہ کشتی آمرے اے ناخدا
آ گیا اِس قوم پر وقتِ خزاں اندر بہار

نُورِ دل جاتا رہا اور عقل موٹی ہو گئی
اپنی گمراہی پہ ہر دل کر رہا ہے اعتبار

جس کو ہم نے قطرۂ صافی تھا سمجھا اور تقی
غور سے دیکھا تو کیڑے اُس میں بھی پائے ہزار

دُور ہیں معرفت سے گند نکلا ہر طرف
اس وبا نے کھا لئے ہر شاخِ ایماں کے ثمار

اے خدا بن تیرے ہو یہ آبپاشی کس طرح
جل گیا ہے باغِ تقوے دیں کی ہے اب اِک مزار

تیرے ہاتھوں سے مرے پیارے اگر کچھ ہو تو ہو
ورنہ فتنہ کا قدم بڑھتا ہے ہر دم سیل وار

اِک نشاں دکھلا کہ اب دیں ہو گیا ہے بے نشاں
اِک نظر کر اِس طرف تا کچھ نظر آوے بہار

کیا کہوں دُنیا کے لوگوں کی کہ کیسے سو گئے
کس قدر ہے حق سے نفرت اور ناحق سے پیار

عقل پر پردے پڑے سَو سَو نشاں کو دیکھ کر
نُور سے ہو کر الگ چاہا کہ ہوویں اہلِ نار

گر نہ ہوتی بدگمانی کفر بھی ہوتا فنا
اس کا ہووے ستیاناس اس سے بگڑے ہوشیار

بدگمانی سے تو رائی کے بھی بنتے ہیں پہاڑ
پَر کے اِک ریشہ سے ہو جاتی ہے کوّوں کی قطار

حد سے کیوں بڑھتے ہو لوگو کچھ کرو خوفِ خدا
کیا نہیں تم دیکھتے نصرت خدا کی بار بار

کیا خدا نے اتقیا کی عون و نصرت چھوڑ دی
ایک فاسق اور کافر سے کیوں کرتا ہے پیار

ایک بدکردار کی تائید میں اتنے نشاں
کیوں دکھاتا ہے وہ کیا ہے بدکنوں کا رشتہ دار

کیا بدلتا ہے وہ اب اس سنت و قانون کو
جس کا تھا پابند وہ از ابتدائے روزگار

آنکھ گر پھوٹی تو کیا کانوں میں بھی کچھ پڑ گیا
کیا خدا دھوکے میں ہے اور تم ہو میرے رازدار

جس کے دعوے کی سراسر ہے افترا پر بنا
اُس کی یہ تائید ہو پھر جھوٹ سچ میں کیا نکھار

کیا خدا بھولا رہا تم کو حقیقت مل گئی
کیا رہا وہ بے خبر اور تم نے دیکھا حالِ زار

بدگمانی نے تمہیں مجنون و اندھا کر دیا
ورنہ تھے میری صداقت پر براہیں بے شمار

جہل کی تاریکیاں اور سوءِ ظن کی تند باد
جب اکٹھی ہوں تو پھر ایماں اُڑے جیسے غبار

زہر کے پینے سے کیا انجام بجز موت و فنا
بدگمانی زہر ہے اس سے بچو اے دیں شعار

کانٹے اپنی راہ میں بوتے ہیں ایسے بدگماں
جن کی عادت میں نہیں شرم و شکیب و اصطبار

یہ غلط کاری بشر کی بدنصیبی کی ہے جڑھ
پر مقدر کو بدل دینا ہے کس کا اختیار

سخت جاں ہیں ہم کسی کے بغض کی پروا نہیں
دل قوی رکھتے ہیں ہم دردوں کی ہے ہم کو سہار

جو خدا کا ہے اسے للکارنا اچھا نہیں
ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ زار و نزار

ہے سرِ راہ پر مرے وہ خود کھڑا مولیٰ کریم
پس نہ بیٹھو میری رہ میں اے شریرانِ دیار

سنت اللہ ہے کہ وہ خود فرق کو دکھلائے ہے
تا عیاں ہو کون پاک اور کون ہے مُردار خوار

مجھ کو پردہ میں نظر آتا ہے اک میرا معیں
تیغ کو کھینچے ہوئے اُس پر جو کرتا ہے وہ وار

دشمنِ غافل اگر دیکھے وہ بازو وہ سلاح
ہوش ہو جائیں خطا اور بھول جائے سب نقار

اِس جہاں کا کیا کوئی داور نہیں اور داد گر ؟
پھر شریر النفس ظالم کو کہاں جائے فرار

کیوں عجب کرتے ہو گر میں آ گیا ہو کر مسیح
خود مسیحائی کا دم بھرتی ہے یہ بادِ بہار

آسماں پر دعوتِ حق کے لئے اک جوش ہے
ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اتار

آ رہا ہے اِس طرف احرارِ یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگہ زندہ وار

کہتے ہیں تثلیث کو اب اہلِ دانش الوداع
پھر ہوئے ہیں چشمۂ توحید پر از جاں نثار

باغ میں ملّت کے ہے کوئی گلِ رعنا کھلا
آئی ہے بادِ صبا گلزار سے مستانہ وار

آ رہی ہے اب تو خوشبو میرے یوسف کی مجھے
گو کہو دیوانہ میں کرتا ہوں اس کا انتظار

ہر طرف ہر ملک میں ہے بُت پرستی کا زوال
کچھ نہیں انساں پرستی کو کوئی عزّ و وقار

آسماں سے ہے چلی توحیدِ خالق کی ہوا ،
دل ہمارے ساتھ ہیں گو منہ کریں بک بک ہزار

اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح
نیز بشنو از زمیں آمد امامِ کامگار ،

آسماں بارد نشاں الوقت میگوید زمیں
ایں دو شاہد از پئے من نعرہ زن چوں بیقرار

اب اسی گلشن میں لوگو راحت و آرام ہے
وقت ہے جلد آؤ اے آوارگانِ دشتِ خار

اک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا
پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار

اے مکذب! کوئی اس تکذیب کا ہے انتہا
کب تلک تو خوئے شیطاں کو کرے گا اختیار

ملتِ احمدؐ کی مالک نے جو ڈالی تھی بنا
آج پوری ہو رہی ہے اے عزیزانِ دیار

گلشنِ احمدؐ بنا ہے مسکنِ بادِ صبا
جس کی تھی نبیوں سے سنتا ہے بشر گفتار بار

ورنہ وہ ملت وہ رہ وہ رسم وہ دیں چیز کیا
سایہ افگن جس پہ نورِ حق نہیں خورشید وار

دیکھ کر لوگوں کے کینے دل مرا خوں ہو گیا
قصد کرتے ہیں کہ ہو پامال دُرِّ شاہوار

ہم تو ہر دم چڑھ رہے ہیں اک بلندی کی طرف
وہ بلاتے ہیں کہ ہو جائیں نہاں ہم زیرِ غار

نورِ دل جاتا رہا اک رسم دیں کی رہ گئی
پھر بھی کہتے ہیں کہ کوئی مصلحِ دیں کیا بکار

راگ وہ گاتے ہیں جس کو آسماں گاتا نہیں
وہ ارادے ہیں کہ جو ہیں برخلافِ شہریار

ہائے مارِ آستیں وہ بن گئے دیں کے لئے
وہ تو فربہ ہو گئے پر دیں ہوا زار و نزار

ان غموں سے دوستو! خم ہو گئی میری کمر
میں تو مر جاتا اگر ہوتا نہ فضلِ کردگار

اس تپش کو میری وہ جانے کہ رکھتا ہے تپش
اس الم کو میرے وہ سمجھے کہ ہے وہ دلفگار

کون روتا ہے کہ جس سے آسماں بھی رو پڑا
مہر و مہ کی آنکھ غم سے ہو گئی تاریک و تار

مفتری کہتے ہوئے ان کو حیا آتی نہیں
کیسے عالم ہیں کہ اس عالم سے ہیں یہ برکنار

غیر کیا جانے کہ دلبر سے ہمیں کیا جوڑ ہے
وہ ہمارا ہو گیا اس کے ہوئے ہم جاں نثار

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

اک شجر ہوں جس کو داؤدی صفت کے پھل لگے
میں ہوا داؤد اور جالوت ہے میرا شکار

پر مسیحا بن کے میں بھی دیکھتا روئے صلیب
گر نہ ہوتا نامِ احمدؐ جس پہ میرا سب مدار

دشمنو! ہم اس کی رہ میں مر رہے ہیں ہر گھڑی
کیا کرو گے تم ہماری نیستی کا انتظار

سر سے میرے پاؤں تک وہ یار مجھ میں ہے نہاں
اے مرے بدخواہ کرنا ہوش کر کے مجھ پہ وار

کیا کروں تعریفِ حسنِ یار کی اور کیا لکھوں
اک ادا سے ہو گیا ہے سیلِ نفسِ دوں سے پار

اسقدر عرفاں بڑھا میرا کہ کافر ہو گیا
آنکھ میں اس کی کہ ہے وہ دور تر از صحن یار

اس رخ روشن سے میری آنکھ بھی روشن ہوئی
ہو گئے اسرار اس دلبر کے مجھ پر آشکار

قوم کے لوگو ادھر آؤ ! کہ نکلا آفتاب
وادیٔ ظلمت میں کیا بیٹھے ہو تم لیل و نہار

کیا تماشا ہے کہ میں کافر ہوں تم مومن ہوئے
پھر بھی اس کافر کا حامی ہے وہ مقبولوں کا یار

کیا اچنبھی بات ہے کافر کی کرتا ہے مدد
وہ خدا جو چاہیئے تھا مومنوں کا دوستدار

اہل تقوی تھا کرم دیں بھی تمہاری آنکھ میں
جس نے ناحق ظلم کی رہ سے کیا تھا مجھ پہ وار

بے معاون میں نہ تھا تھی نصرت حق میرے ساتھ
فتح کی دیتی تھی وحیٔ حق بشارت بار بار

پر مجھے اس نے نہ دیکھا آنکھ اس کی بند تھی
پھر سزا پا کر لگایا سعد دنبالہ دار

نام بھی کذاب اس کا دفتروں میں رہ گیا
اب مٹا سکتا نہیں یہ نام تا روز شمار

اب کہو کس کی ہوئی نصرت جناب پاک سے
کیوں تمہارا متقی پکڑا گیا ہو کر کے خوار

پھر ادھر بھی کچھ نظر کرنا خدا کے خوف سے
کیسے میرے یار نے مجھ کو بچایا بار بار

قتل کی ٹھانی شریروں نے چلائے تیر مکر
بن گئے شیطاں کے چیلے اور نسل ہونہار

پھر لگایا ناخنوں تک زور بن کر اک گروہ
پر نہ آیا کوئی بھی منصوبہ ان کو سازوار

ہم نگہ ہیں ان کی دجال اور بے ایماں ہوئے
آتش تکفیر کے اڑتے رہے پیہم شرار

اب ذرا سوچو دیانت سے کہ یہ کیا بات ہے
ہاتھ کس کا ہے کہ رد کرتا ہے وہ دشمن کا وار

کیوں نہیں تم سوچتے کیسے ہیں یہ پردے پڑے
دل میں اٹھتا ہے مرے رہ رہ کے اب سو سو بخار

یہ اگر انساں کا ہوتا کاروبار اے ناقصاں
ایسے کاذب کے لئے کافی تھا وہ پروردگار

کچھ نہ تھی حاجت تمہاری نے تمہارے مکر کی
خود مجھے نابود کرتا وہ جہاں کا شہریار

پاک و برتر ہے وہ جھوٹوں کا نہیں ہوتا نصیر
ورنہ اٹھ جائے اماں پھر سچے ہو دیں شرمسار

اسقدر نصرت کہاں ہوتی ہے اک کذاب کی
کیا نہیں کچھ ڈر نہیں ہے کرتے ہو بڑھ بڑھ کے وار

ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر
میرے جیسی جس کی تائیدیں ہوئی ہوں بار بار

آفتابِ صبح نکلا اب بھی سوتے ہیں یہ لوگ
دن سے ہیں بیزار اور راتوں سے وہ کرتے ہیں پیار

روشنی سے بغض اور ظلمت پہ وہ قربان ہیں
ایسے بھی شپّر نہ ہونگے گرچہ تم ڈھونڈو ہزار

سر پہ اک سورج چمکتا ہے مگر آنکھیں ہیں بند
مرتے ہیں بن آب وہ اور در پہ نہر خوشگوار

طُرفہ کیفیت ہے ان لوگوں کی جو منکر ہوئے
یُوں تو ہر دم مشغلہ ہے. گالیاں لیل و نہار

پر اگر پوچھیں کہ ایسے کاذبوں کے نام لو :
جن کی نصرت سالہا سے کر رہا ہو کردگار

مُردہ ہو جاتے ہیں اسکا کچھ نہیں دیتے جواب
زرد ہو جاتا ہے. منہ جیسے کوئی ہو سوگوار

ان کی قسمت میں نہیں دیں کے لئے کوئی گھڑی
ہو گئے مفتونِ دنیا دیکھ کر اس کا سنگار

جی چرانا راستی سے کیا یہ دیں کا کام ہے
کیا یہی ہے زہد و تقوے کیا یہی راہِ اخیار

کیا قسم کھائی ہے یا کچھ پیچ قسمت میں پڑا .
روزِ روشن چھوڑ کر ہیں عاشقِ شبہائے تار

انبیاء کے طور پر حجت ہوئی ان پر تمام
ان کے جو حملے ہیں ان میں سب نبی ہیں حصہ دار

میری نسبت جو کہیں کیں سے وہ سب پہلے کہا
چھوڑ دیں گے کیا وہ سب کو کفر کر کے اختیار

مجھکو کافر کہہ کے اپنے کفر پر کرتے ہیں مہر
یہ تو ہے سب شکل ان کی ہم تو ہیں آئینہ دار

ساٹھ سے ہیں کچھ برس میرے زیادہ اس گھڑی
سال ہے اب تیسواں دعوے پہ از روئے شمار

تھا برس چالیس کا میں اس مسافر خانہ میں
جبکہ میں نے وحیِ ربانی سے پایا افتخار

اسقدر یہ زندگی کیا افترا میں کٹ گئی ؟
پھر عجب تر یہ کہ نصرت کے ہوئے جاری بحار

ہر قدم میں میرے مولیٰ نے دیئے مجھکو نشاں
ہر عدو پہ حجتِ حق کی پڑی ہے ذوالفقار

نعمتیں وہ دیں مرے مولیٰ نے اپنے فضل سے
جن سے ہیں معنی اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ آشکار

سایہ بھی ہوجاتا ہے اوقاتِ ظلمت میں جُدا
پر رہا وہ ہر اندھیرے میں رفیق و غمگسار

اسقدر نصرت تو کاذب کی نہیں ہوتی کبھی
گر نہیں باور نظیر اس کی تم لاؤ دو چار

پھر اگر ناچار ہو اس سے کہ دو کوئی نظیر
اُس مہیمن سے ڈرو جو بادشاہ ہر دو دار

یہ کہاں سے سُن لیا تم نے کہ تم آزاد ہو ! !
کچھ نہیں تم پر عقوبت گو کرو عصیاں ہزار

نعرۂ اِنَّا ظَلَمْنَا سنتِ ابرار ہے
زہر منہ کی مت دکھاؤ تم نہیں ہو نسلِ مار

جسم کو مل مل کے دھونا یہ تو کچھ مشکل نہیں
دل کو جو دھوئے وہی ہے پاک نزدِ کردگار

اپنے ایماں کو ذرا پردہ اٹھا کر دیکھنا
مجھ کو کافر کہتے کہتے خود نہ ہوں از اہلِ نار

گر حیا ہو سوچ کر دیکھیں کہ یہ کیا راز ہے
وہ مری ذلت کو چاہیں پا رہا ہوں میں وقار

کیا بگاڑا اپنے مکروں سے ہمارا آج تک
اژدہا بن بن کے آئے ہو گئے پھر سوسمار

اے فقیہو عالمو! مجھ کو سمجھ آتا نہیں
یہ نشانِ صدق پا کر پھر یہ کیں اور یہ نقار

صدق کو جب پایا اصحابِ رسول اللہ نے
اس پہ مال و جان و تن بڑھ بڑھ کے کرتے تھے نثار

پھر عجب یہ علم یہ تنقیدِ آثار و حدیث
دیکھ کر سو سو نشاں پھر کر رہے ہو تم فرار

بحث کرنا تم سے کیا حاصل اگر تم میں نہیں
روحِ انصاف و خدا ترسی کہ ہے دیں کا مدار

کیا مجھے تم چھوڑتے ہو جاہِ دنیا کے لئے
جاہِ دنیا کب تلک دنیا ہے خود ناپائیدار

کون در پردہ مجھے دیتا ہے ہر میداں میں فتح
کون ہے جو تم کو ہر دم کر رہا ہے شرمسار

تم تو کہتے تھے کہ یہ نابود ہو جائے گا جلد
یہ ہمارے ہاتھ کے نیچے ہے اک ادنیٰ شکار

بات پھر یہ کیا ہوئی کس نے مری تائید کی
خائب و خاسر رہے تم ہو گئے ہیں کامگار

اک زمانہ تھا کہ میرا نام بھی مستور تھا
قادیاں بھی تھی نہاں ایسی کہ گویا زیرِ غار

کوئی بھی واقف نہ تھا مجھ سے نہ میرا معتقد
لیکن اب دیکھو کہ چرچا کس قدر ہے ہر کنار

اُس زمانہ میں خدا نے دی تھی شہرت کی خبر
جو کہ اب پوری ہوئی بعد از مرورِ روزگار

کھول کر دیکھو براہیں جو کہ ہے میری کتاب
اُس میں ہے یہ پیشگوئی پڑھ لو اس کو ایک بار

اب ذرا سوچو کہ کیا یہ آدمی کا کام ہے
اس قدر امرِ نہاں پر کس بشر کو اقتدار

قدرتِ رحماں و مکرِ آدمی میں فرق ہے
جو نہ سمجھے وہ غبی از فرق تا پا ہے حمار

سوچ لو اے سوچنے والو کہ اب بھی وقت ہے
راہِ حرماں چھوڑ دو رحمت کے ہو امیدوار

سوچ لو یہ ہاتھ کس کا تھا کہ میرے ساتھ تھا
کس کے فرماں سے میں مقصد پا گیا اور تم ہو خوار

یہ بھی کچھ ایماں ہے یارو ہم کو سمجھائے کوئی
جسکا ہر میداں میں پھل حرماں ہے اور ذلت کی مار

کہتے ہیں کہ یہ کافر ہے اور دجال ہے
میں تو خود کہتا ہوں انکے دیں سے اور ایماں سے عار

گر یہی دیں ہے جو ہے ان کے خصائل سے عیاں
میں تو اک کوڑی کو بھی لیتا نہیں ہوں زینہار

جان و دل سے ہم نثار ملت اسلام ہیں
ایک دیں وہ راہ نہیں جس پہ چلیں اہل نقار

واہ رے جوش جہالت خوب دکھلائے ہیں رنگ
جھوٹ کی تائید میں حملے کریں دیوانہ وار

نازمت کر اپنے ایماں پر کہ یہ ایماں نہیں
اسکو ہیرا مت گماں کر یہ ہے سنگ کوہسار

پیٹنا ہوگا وہ ہاتھوں سے کہ ہے ہے مر گئے
جب کہ ایماں کے تمہارے گند ہوں گے آشکار

ہے یہ گھر گرنے پہ اے مغرور لے جلدی خبر
تا نہ دب جائیں ترے اہل و عیال و رشتہ دار

یہ عجب بد قسمتی ہے کس قدر دعوت ہوئی !
پر اثر تا ہی نہیں ہے جام غفلت کا خمار

ہوش میں آتے نہیں سو سو طرح کوشش ہوئی
ایسے کچھ سوئے کہ پھر ہوتے نہیں ہیں ہوشیار

دن بُرے آئے اکٹھے ہو گئے قحط و وبا
اب تلک توبہ نہیں اب دیکھئے انجام کار

ہے غضب کہتے ہیں . اب وحی خدا مفقود ہے
اب قیامت تک ہے اس امت کا قصوں پر مدار

یہ عقیدہ برخلاف گفتۂ دادار ہے
پر اتارے کون برسوں کا گلے سے اپنے ہار

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم
اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

گوہر وحی خدا کیوں توڑتا ہے ہوش کر
اک یہی دیں کے لئے ہے جائے عزّ و افتخار

یہ وہ گل ہے جسکا ثانی باغ میں کوئی نہیں
یہ وہ خوشبو ہے کہ قرباں اس پہ ہو مشک تتار

یہ وہ ہے مفتاح جس سے آسماں کے در کھلیں
یہ وہ آئینہ ہے جس سے دیکھ لیں روئے نگار

بس یہی ہتھیار ہے جس سے ہماری فتح ہے
بس یہی اک قصر ہے جو عافیت کا ہے حصار

ہے خدا دانی کا آلہ بھی یہی اسلام میں
محض قصوں سے نہ ہو کوئی بشر طوفاں سے پار

ہے یہی وحی خدا عرفان مولےٰ کا نشان ،
جسکو یہ کامل ملے اسکو ملے وہ دوستدار

واہ رے باغ محبت موت جس کی رہ گذر،
وصل یار اس کا ثمر پر اور گرد اسکے ہیں خار

ایسے دل پر داغ لعنت ہے ازل سے تا ابد
جو نہیں اس کی طلب میں بے خود و دیوانہ وار

پر جو دُنیا کے بنے کیڑے وہ کیا ڈھونڈیں اُسے
دیں اُسے ملتا ہے جو دیں کے لئے ہو بیقرار

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج
جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجامکار

یاد وہ دن جبکہ کہتے تھے یہ سب ارکانِ دیں
مہدیٔ موعودِ حق اب جلد ہو گا آشکار

کون تھا جس کی تمنا یہ نہ تھی اک جوش سے
کون تھا جس کو نہ تھا اس آنیوالے سے پیار

پھر وہ دن جب آگئے اور چودھویں آئی صدی
سب سے اول ہو گئے منکر یہی دیں کے منار

پھر دوبارہ آگئی۔ احبار میں رسمِ یہود
پھر مسیحِ وقت کے دُشمن ہوئے یہ جُبّہ دار

تھا نوشتوں میں یہی از ابتدا تا انتہا
پھر مٹے کیونکر کہ ہے تقدیر کے نقشِ جدار

میں تو آیا اس جہاں میں ابنِ مریم کی طرح
میں نہیں مامور از بہرِ جہاد و کارزار

پر اگر آتا کوئی جیسی انہیں اُمید تھی ؛
اور کرتا جنگ اور دیتا ہے غنیمت بے شمار

ایسے مہدی کے لئے میداں کھلا تھا قوم میں
پھر تو اس پر جمع ہوتے ایک دم میں صد ہزار

پر یہ تھا رحمِ خداوندی کہ میں ظاہر ہوا
آگ آتی گر نہ میں آتا تو پھر جاتا قرار

آگ بھی پھر آ گئی جب دیکھ کر اتنے نشاں
قوم نے مجھ کو کہا کذّاب ہے اور بدشعار

ہے یقیں یہ آگ کچھ مدت تلک جاتی نہیں
ہاں مگر توبہ کریں با صد نیاز و انکسار

پر نہیں اک اتفاقی امر تا ہوتا علاج
ہے خدا کے حکم سے یہ سب تباہی اور تبار

وہ خدا جس نے بنایا آدمی اور دیں دیا
وہ نہیں راضی کہ بے دینی ہو ان کا کاروبار

بے خدا بے زہد و تقویٰ بے دیانت بے صفا
بن ہے یہ دنیائے دوں طاعوں کرے انہیں شکار

صیدِ طاعوں مت بنو پورے بنو تم متقی
یہ جو ایماں ہے زباں کا کچھ نہیں آتا بکار

موت سے گر خود ہو بے ڈر کچھ کرو بچوں پہ رحم
امن کی رہ پر چلو بن کو کرو مت اختیار

بن کے رہنے والو! تم ہرگز نہیں ہو آدمی
کوئی ہے روبہ کوئی خنزیر اور کوئی ہے مار

ان دلوں کو خود بدل دے اے مرے قادر خدا
تو تو رب العالمین ہے۔ اور سب کا شہریار

تیرے آگے محو یا اثبات نا ممکن نہیں — توڑنا یا جوڑنا یہ کام تیرے اختیار
ٹوٹے کاموں کو بنا دے جب نگاہِ فضل ہو — پھر بنا کر توڑ دے اک دم میں کر دے تار تار
تو ہی بگڑی کو بنا دے توڑ دے جب بن چکا — تیرے بھیدوں کو نہ پاوے سو کرے کوئی بچار
جب کوئی دل ظلمتِ عصیاں میں ہووے مبتلا — تیرے بن روشن نہ ہووے گر چڑھے سورج ہزار
اس جہاں میں خواہشِ آزادگی بیہودہ ہے — اک تری قیدِ محبت ہے جو کر دے رستگار
دل جو خالی ہو گدازِ عشق سے وہ دل ہے کیا — دل وہ ہے جس کو نہیں بے دلبرِ یکتا قرار
فقر کی منزل کا ہے اوّل قدم نفیٔ وجود — پس کرو اس نفس کو زیر و زبر از بہرِ یار
تلخ ہوتا ہے ثمر جب تک کہ ہووے ناتمام — اس طرح ایماں بھی ہے جب تک نہ ہو کامل پیار
تیرے منہ کی بھوک نے دل کو کیا زیر و زبر — اے مرے فردوسِ اعلیٰ اب گرا مجھ پر ثمار
اے خدا اے چارہ سازِ درد ہم کو خود بچا — اے مرے زخموں کے مرہم دیکھ میرا دل فگار
باغ میں تیری محبت کے عجب دیکھے ہیں پھل — ملتے ہیں مشکل سے ایسے سیب اور ایسے انار
تیرے بن اے میری جاں یہ زندگی کیا خاک ہے — ایسے جینے سے تو بہتر مر کے ہو جانا غبار
گر نہ ہو تیری عنایت سب عبادت ہیچ ہے — فضل پر تیرے ہے سب جہد و عمل کا انحصار
جن پہ ہے تیری عنایت وہ بدی سے دور ہیں — رہ میں حق کی قوتیں ان کی چلیں بن کر قطار
چھٹ گئے شیطاں سے جو تھے تیری الفت کے اسیر — جو ہوئے تیرے لئے بے برگ و بر پائی بہار
سب پیاسوں سے نکوتر تیرے منہ کی ہے پیاس — جس کا دل ہے اس سے بریاں پا گیا وہ آبشار
جس کو تیری دھن لگی آخر وہ تجھ کو جا ملا — جس کو بے چینی ہے وہ پا گیا آخر قرار
عاشقی کی ہے علامت گریہ و دامانِ دشت — کیا مبارک آنکھ جو تیرے لئے ہو اشکبار
تیری درگہ میں نہیں رہتا کوئی بھی بے نصیب — شرط رہ پر صبر ہے اور ترکِ نامِ اضطرار
یوں تو تیرے حکم سے آیا مگر افسوس ہے — چل رہی ہے وہ ہوا جو رخنہ اندازِ بہار
جیفۂ دنیا پہ یکسر گر گئے دنیا کے لوگ — زندگی کیا خاک ان کی جو کہ ہیں مردار خوار

دیں کو دے کر ہاتھ سے دنیا بھی آخر جاتی ہے
کوئی آسودہ نہیں بن عاشق و شیدائے یار

رنگ تقویٰ سے کوئی رنگت نہیں ہے خوب تر
ہے یہی ایماں کا زیور ہے یہی دیں کا سنگار

سو چڑھے سورج نہیں بن روئے دلبر روشنی
یہ جہاں بے وصل دلبر ہے شب تاریک و تار

اے مرے پیارے جہاں میں تو ہی ہے اک بے نظیر
جو ترے مجنوں حقیقت میں وہی ہیں ہوشیار

اس جہاں کو چھوڑنا ہے ترے دیوانوں کا کام
نقد پا لیتے ہیں وہ اور دوسرے امیدوار

کون ہے جس کے عمل ہوں پاک بے انوارِ عشق
کون کرتا ہے وفا بن اس کے جس کا دل فگار

غیر ہو کر غیر پر مرنا کسی کو کیا غرض؟
کون دیوانہ بنے اس راہ میں لیل و نہار

کون چھوڑے خواب شیریں کون چھوڑے اکل و شرب
کون لے خارِ مغیلاں چھوڑ کر پھولوں کے ہار

عشق ہے جس سے ہوں طے یہ سارے جنگل پُر خطر
عشق ہے جو سر جھکا دے زیر تیغ آبدار

پر ہزار افسوس دنیا کی طرف ہیں جھک گئے
وہ جو کہتے تھے کہ ہے یہ خانۂ ناپائیدار

جس کو دیکھو آجکل وہ شوخیوں میں طاق ہے
آہ! رحلت کر گئے وہ سب جو تھے تقویٰ شعار

منبروں پر ان کے سارا گالیوں کا وعظ ہے
مجلسوں میں ان کی ہر دم سب وغیبت کاروبار

جس طرف دیکھو یہی دنیا ہی مقصد ہو گئی
ہر طرف اس کے لئے رغبت دلائیں بار بار

ایک کانٹا بھی اگر دیں کے لئے ان کو لگے
چیخ کر اس سے وہ بھاگیں شیر سے جیسے حمار

ہر زماں شکوہ زباں پر ہے اگر ناکام ہیں
دیں کی کچھ پروا نہیں دنیا کے غم میں سوگوار

لوگ کچھ باتیں کریں میری تو باتیں اور ہیں
میں فدائے یار ہوں گو تیغ کھینچے صد ہزار

اے مرے پیارے بتا تو کس طرح خوشنود ہو
نیک دن ہوگا وہی جب تجھ پہ ہوویں ہم نثار

جس طرح تو دور ہے لوگوں سے میں بھی دور ہوں
ہے نہیں کوئی بھی جو ہو میرے دل کا رازدار

نیک ظن کرنا طریق صالحان قوم ہے
ایک سو پردے میں ہوں ان سے نہیں ہوں آشکار

بے خبر دونوں ہیں جو کہتے ہیں بد یا نیک مرد
میرے باطن کی نہیں ان کو خبر اک ذرہ وار

ابن مریم ہوں مگر اترا نہیں میں چرخ سے
نیز مہدی ہوں مگر بے تیغ اور بے کارزار

ملک سے مجھ کو نہیں مطلب نہ جنگوں سے ہے کام
تاج و تخت ہند قیصر کو مبارک ہو مدام
مجھ کو کیا ملکوں سے میرا ملک ہے سب سے جدا
ہم تو بستے ہیں فلک پر اس زمیں کو کیا کریں
ملک روحانی کی شاہی کی نہیں کوئی نظیر
داغ لعنت ہے طلب کرنا زمیں کا عز و جاہ
کام کیا عزت سے ہم کو شہرتوں سے کیا غرض
ہم اسی کے ہو گئے ہیں جو ہمارا ہو گیا
دیکھتا ہوں اپنے دل کو عرش رب العالمیں
دوستی بھی ہے عجب جس سے ہوں آخر دوستی
دیکھ لو میل و محبت میں عجب تاثیر ہے
کوئی رہ نزدیک تر راہ محبت سے نہیں
اس کے پانے کا یہی اے دوستو اک راز ہے
تیر تاثیر محبت کا خطا جاتا نہیں
ہے یہی اک آگ تا تم کو بچاوے آگ سے
اس سے خود آکر ملے گا تم سے وہ یار ازل
وہ کتاب پاک و برتر جس کا فرقاں نام ہے
جن کو ہے انکار اس سے سخت ناداں ہیں وہ لوگ
کیا یہی اسلام کا ہے دوسرے دینوں پہ فخر
مغز فرقاں مطہر کیا یہی ہے زہد خشک
گر یہی اسلام ہے بس ہو گئی امت ہلاک

کام میرا ہے دلوں کو فتح کرنا نے دیار
ان کی شاہی میں میں پاتا ہوں رفاہ روزگار
مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوان یار
آسماں کے رہنے والوں کو زمیں سے کیا نقار
گو بہت دنیا میں گذرے ہیں امیر و تاجدار
جس کا جی چاہے کرے اس داغ سے وہ تن فگار
گر وہ ذلت سے ہو راضی اس پہ سو عزت نثار
چھوڑ کر دنیائے دوں کو ہم نے پایا وہ نگار
قرب اتنا بڑھ گیا جس سے ہے اترا مجھ میں یار
آ ملی الفت سے الفت ہو کے دو دل پر سوار
ایک دل کرتا ہے جھک کر دوسرے دل کو شکار
طے کریں اس راہ سے سالک ہزاروں دشت خار
کیمیا ہے جس سے ہاتھ آجائے گا زر بے شمار
تیر انداز و! نہ ہونا سست اس میں زینہار
ہے یہی پانی کہ نکلیں جس سے صدہا آبشار
اس سے تم عرفان حق سے پہنو گے پھولوں کے ہار
وہ یہی دیتی ہے طالب کو بشارت بار بار
آدمی کیونکر کہیں جب ان میں ہے حمق حمار
کر دیا قصوں پہ سارا ختم دیں کا کاروبار
کیا یہی چوہا ہے نکلا کھود کر یہ کوہسار
کس طرح رہ مل سکے جب دیں ہی ہو تاریک و تار

منہ کو اپنے کیوں بگاڑتا ہے سیہ دل کی طرح
فیض کے در کھل رہے ہیں اپنے دامن کو پسار

کس طرح کے تم بشر ہو دیکھتے ہو صدق شان
پھر وہی ضد و تعصب اور وہی کین و نقار

بات سب پوری ہوئی تم پر وہی ناقص رہے
باریاب ہو کر بھی قسمت میں نہیں دیں کے ثمار

دیکھ کر وہ ساری باتیں کس طرح پوری ہوئیں
جن کا ہونا تھا بعید از عقل و فہم و افکار

اس زمانہ میں ذرا سوچو کہ میں کیا چیز تھا
جس زمانہ میں براہیں کا دیا تھا اشتہار

اب ذرا سوچو کہ اب چرچا مرا کیسا ہوا
کس طرح سرعت سے شہرت ہو گئی در ہر دیار

جانتا تھا کون کیا عزت تھی پبلک میں مجھے
کس جماعت کی تھی مجھ سے کچھ ارادت یا پیار

تھے جو بہر خلق کے اسباب مال و علم و حکم
خاندانِ فقر بھی تھا باعثِ عز و وقار

لیک ان چاروں سے میں محروم تھا اور بے نصیب
ایک بلا ہی تھا کہ خارج از حساب و از شمار

پھر رکھا یا نام کافر ہو گیا مطعونِ خلق
کفر کے فتووں نے مجھ کو کر دیا بے اعتبار

اس پہ بھی میرے خدا نے یاد کر کے اپنا قول
مرجع عالم بنایا مجھ کو اور دیں کا مدار

سارے منصوبے جو تھے میری تباہی کے لئے
کر دیئے اس نے تبہ جیسے کہ ہو گرد و غبار

سوچ کر دیکھو کہ کیا یہ آدمی کا کام ہے
کوئی بتلائے نظیر اس کی اگر کرتا ہے وار

مکرِ انساں کو مٹا دیتا ہے انسانِ دگر
پر خدا کا کام کب بگڑے کسی سے زینہار

مفتری ہوتا ہے آخر اس جہاں میں رو سیہ
جلد تر برہم ہے ہوتا افترا کا کاروبار

افترا کی ایسی دُم بھی نہیں ہوتی کبھی
جو ہو مثلِ مدتِ فخر الرسل فخر الخیار

حسرتوں سے میرا دل پُر ہے کہ کیوں منکر ہو تم
یہ گھٹا اب جھوم جھوم آتی ہے دل پر بار بار

یہ عجب آنکھیں ہیں سورج بھی نظر آتا نہیں
کچھ نہیں چھوڑا حسد نے عقل اور سوچ اور بچار

قوم کی بدقسمتی اس سرکشی سے کھل گئی
پر وہی ہوتا ہے جو تقدیر سے پایا قرار

قوم میں ایسے بھی پاتا ہوں جو ہیں دنیا کے کرم
مقصد ان کی زیست کا ہے شہوت و خمر و قمار

مکر کے بل چل رہی ہے ان کی گاڑی روز و شب
نفس و شیطاں نے اٹھایا ہے انہیں جیسے کہار

دنیا کے کاموں میں تو ان کے لڑکھڑاتے ہیں قدم
لیک دنیا کے لئے ہیں نوجواں و ہوشیار

عزت و حرمت کی کچھ پرواہ نہیں باقی رہی
ٹھونس کر پیٹوں میں مردار نہیں لیتے ڈکار

لاف زہد و راستی اور پاپ دل میں ہے بھرا
ہے زباں میں سب شرف اور پیچ دل جیسے چمار

اے عزیزو! کب تلک چل سکتی ہے کاغذ کی ناؤ
ایک دن ہے غرق ہونا بادو چشم اشکبار

جاودانی زندگی ہے موت کے اندر نہاں
گلشن دلبر کی رہ ہے وادیٔ غربت کے خار

اے خدا! کمزور ہیں ہم اپنے ہاتھوں سے تھا
ناتواں ہم ہیں ہمارا خود اٹھا لے سارا بار

تیری عظمت کے کرشمے دیکھتا ہوں ہر گھڑی
تیری قدرت دیکھ کر دیکھا جہاں کو مردہ وار

کام دکھلائے جو تو نے میری نصرت کے لئے
پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے ہر زماں وہ کاروبار

کس طرح تو نے سچائی کو مری ثابت کیا
میں ترے قرباں مری جاں تیرے کاموں پر نثار

ہے عجب اک خاصیت تیرے جمال و حسن میں
جس نے اک چمکار سے مجھ کو کیا دیوانہ وار

اے مرے پیارے ضلالت میں پڑی ہے میری قوم
تیری قدرت سے نہیں کچھ دور پائیں وہ سدھار

مجھ کو کافر کہتے ہیں میں بھی انہیں مومن کہوں
گر نہ ہو پرہیز کرنا جھوٹ سے دیں کا شعار

مجھ پہ اے واعظ نظر کی یار نے تجھ پر نہ کی
حیف اس ایماں پہ جس سے کفر بہتر لاکھ بار

روضۂ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک
میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ و بار

وہ خدا جس نے نبی کو تھا زر خالص دیا
زیور دیں کو بناتا ہے وہ اب مثل سنار

وہ دکھاتا ہے کہ دیں میں کچھ نہیں اکراہ جبر
دیں تو خود کھینچے ہے دل مثل بت سیمیں عذار

بس یہی ہے رمز جو اس نے کیا منع از جہاد
تا اٹھا دے دیں کی رہ سے جو اٹھا تھا اک غبار

تا دکھا دے منکروں کو دیں کی ذاتی خوبیاں
جن سے ہوں شرمندہ جو اسلام پر کرتے ہیں وار

کہتے ہیں یورپ کے ناداں یہ نبیؐ کامل نہیں
وحشیوں میں دیں کو پھیلانا یہ کیا مشکل تھا کار

پر بنانا آدمی وحشی کو ہے اک معجزہ
معنیٔ رازِ نبوت ہے اسی سے آشکار

نور لائے آسماں سے خود بھی وہ اک نور تھے
قوم وحشی میں اگر پیدا ہوئے کیا جائے عار

روشنی میں مہرِ تاباں کی بھلا کیا فرق ہو
گرچہ نکلے روم کی حد سے یا از زنگبار

اے مرے پیارو! شکیب و صبر کی عادت کرو
وہ اگر پھیلائیں بد بو تم بنو مشکِ تتار

نفس کو مارو کہ اس جیسا کوئی دشمن نہیں
چپکے چپکے کرتا ہے پیدا وہ سامانِ دمار

جس نے نفسِ دوں کو ہمت کر کے زیرِ پا کیا
چیز کیا ہیں اس کے آگے رستم و اسفندیار

گالیاں سن کر دعا دو پا کے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

تم نہ گھبراؤ اگر وہ گالیاں دیں ہر گھڑی
چھوڑ دو ان کو کہ چھپوائیں وہ ایسے اشتہار

چپ رہو تم دیکھ کر ان کے رسالوں میں ستم
دم نہ مارو گر وہ ماریں اور کر دیں حالِ زار

دیکھ کر لوگوں کا جوش و غیظ مت کچھ غم کرو
شدتِ گرمی کا ہے محتاج بارانِ بہار

افترا ان کی نگاہوں میں ہمارا کام ہے
یہ خیال اللہ اکبر کس قدر ہے نابکار

خیر خواہی میں جہاں کی خوں کیا ہم نے جگر
جنگ بھی تھی صلح کی نیت سے اور کیں سے فرار

پاک دل پر بدگمانی ہے یہ شقوت کا نشان
اب تو آنکھیں بند ہیں دیکھیں گے پھر انجامِ کار

جبکہ کہتے ہیں کہ کاذب پھولتے پھلتے نہیں
پھر مجھے کہتے ہیں کاذب دیکھ کر میرے ثمار

کیا تمہاری آنکھ سب کچھ دیکھ کر اندھی ہوئی
کچھ تو اس دن سے ڈرو یارو کہ ہے روزِ شمار

آنکھ رکھتے ہو ذرا سوچو کہ یہ کیا راز ہے
کس طرح ممکن کہ وہ قدوس ہو کاذب کا یار

یہ کرم مجھ پر ہے کیوں کوئی تو اس میں بات ہے
بے سبب ہرگز نہیں یہ کاروبارِ کردگار

مجھ کو خود اس نے دیا ہے چشمۂ توحید پاک
تا لگاوے از سرِ نو باغِ دیں میں لالہ زار

دوش پر میرے وہ چادر ہے کہ دی اس یار نے
پھر اگر قدرت ہے اے منکر تو یہ چادر اتار

خیرگی سے بدگمانی اس قدر اچھی نہیں
ان دنوں میں جب کہ ہے شورِ قیامت آشکار

ایک طوفاں ہے خدا کے قہر کا اب جوش پر
نوح کی کشتی میں جو بیٹھے وہی ہو رستگار

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

پشتیِ دیوارِ دیں اور مامنِ اسلام ہوں
نارسا ہے دستِ دشمن تا بفرقِ ایں جدار

جاہلوں میں اس قدر کیوں بدگمانی بڑھ گئی
کچھ برے آئے ہیں دن یا پڑ گئی لعنت کی مار

کچھ تو سمجھیں بات کو یہ دل میں ارماں ہی رہا
واہ رے شیطاں عجب ان کو کیا اپنا شکار

اے کہ ہر دم بدگمانی تیرا کاروبار ہے
دوسری قوت کہاں گم ہوگئی اے ہوشیار

ہیں اگر کاذب ہوں کذابوں کی دیکھوں گا سزا
پر اگر صادق ہوں پھر کیا عذر ہے روزِ شمار

اس تعصب پر نظر کرنا کہ ہیں اسلام پر
ہوں فدا پھر بھی مجھے کہتے ہیں کافر بار بار

ہیں وہ بانی ہوں کہ آیا آسماں سے وقت پر
ہیں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

ہائے وہ تقوے جو کہتے تھے کہاں مخفی ہوئی
سامانِ نفسِ دوں نے کسطرف پھیری مہار

کام جو دکھلائے اس خلاق نے میرے لئے
کیا وہ کر سکتا ہے جو ہو مفتری شیطاں کا یار

ہیں نئے رشتے ٹوٹتے دامن کر دیا تر درد سے
اب تلک تم میں وہی خشکی رہی با حالِ زار

ہائے یہ کیا ہوگیا عقلوں پہ کیا پتھر پڑے
ہوگیا آنکھوں کے آگے ان کی دن تاریک تار

یا کبھی مخفی گند سے شامتِ اعمال ہے
جس سے عقلیں ہوگئیں بے کار اور اک مردہ وار

گدلوں پر ان کی ہے۔ سب عام لوگوں کا گنہ
جن کے وعظوں سے جہاں کے آگیا دل میں غبار

ایسے کچھ سوتے کہ پھر جاگے نہیں ہیں اب تلک
ایسے کچھ بھولے کہ پھر نسیاں ہوا گردن کا ہار

نوعِ انساں میں بدی کا تخم بونا ظلم ہے
وہ بدی آتی ہے اس پر جو ہے اس کا کاشتکار

چھوڑ کر فرقاں کو آثارِ مخالف پر جمے
شرحِ مسلم اور بخاری کے دیا ناحق کا بار

جبکہ ہے امکانِ کذب و کجروی اخبار میں
پھر حماقت ہے کہ دیکھیں سب انہی پر انحصار

جبکہ ہم نے نورِ حق دیکھا ہے اپنی آنکھ سے
جبکہ خود وحیِ خدا نے دی خبر یہ بار بار

پھر یقیں کو چھوڑ کر ہم کیوں گمانوں پر چلیں
خود کہو وہ بیت ہے بہتر یا لقول پر غبار

تفرقہ اسلام میں نقلوں کی کثرت سے ہوا
جس سے ظاہر ہے کہ راہِ نقل ہے بے اعتبار

نقل کی تھی اک خطا کاری مسیحا کی حیات
جس سے دیں نصرانیت کا ہوگیا خدمتگزار

صد ہزاراں آفتیں نازل ہوئیں اسلام پر
ہوگئے شیطاں کے چیلے گردنِ دیں پر سوار

موت عیسیٰ کی شہادت دی خدا نے صاف صاف / پھر احادیث مخالف رکھتی ہیں کیا اعتبار

گر گماں صحت کا ہو پھر قابلِ تاویل ہیں / کیا حدیثوں کے لئے فرقاں پہ کر سکتے ہو وار

وہ خدا جس نے نشانوں سے مجھے تمغہ دیا / اب بھی وہ تائیدِ فرقاں کر رہا ہے بار بار

سر کو پیٹو آسماں سے اب کوئی آتا نہیں / عمرِ دنیا سے بھی اب ہے آگیا ہفتم ہزار[1]

اس کے آنے تک دیں کا ہو گیا قصہ تمام / کیا وہ تب آئیگا جب پیچھے گا اس دیں کا مزار

کشتیٔ اسلام بے لطفِ خدا اب غرق ہے / اے جنوں کچھ کام کر بیکار ہیں عقلوں کے وار

مجھکو دے اک فوقِ عادت اے خدا جوش و تپش / جس سے ہو جاؤں میں غم میں دیں کے اک دیوانہ وار

وہ لگا دے آگ میرے دل میں ملت کے لئے / شعلے پہنچیں جس کے ہر دم آسماں تک بے شمار

اے خدا تیرے لئے ہر ذرہ ہو میرا فدا / مجھکو دکھلا دے بہارِ دیں کہ میں ہوں اشکبار

خاکساری کو ہماری دیکھ اے دانائے راز / کام تیرا کام ہے ہم ہو گئے اب بے قرار

اک کرم کر پھیر دے لوگوں کو فرقاں کی طرف / نیز دے توفیق تا وہ کچھ کریں سوچ اور بچار

ایک فرقاں ہے جو شک اور ریب سے وہ پاک ہے / بعد اس کے ظنِ غالب کو ہیں کرتے اختیار

پھر اگر نقلیں بھی میری طرف سے پیش ہوں / تنگ ہو جائے مخالف پر مجالِ کارزار

باغ مرجھایا ہوا تھا گر گئے تھے سب ثمر / میں خدا کا فضل لایا پھر ہوئے پیدا ثمار

۱؎ کتب سابقہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ عمر دنیا کی حضرت آدمؑ سے سات ہزار برس تک ہے۔ اسی کی طرف قرآن شریف اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے کہ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ یعنے خدا کا ایک دن تمہارے ہزار برس کے برابر ہے۔ اور خدا نے میرے دل پر یہ الہام کیا ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانہ تک حضرت آدمؑ سے اسیقدر مدت بحساب قمری گذری تھی جو اس سورۃ کے حروف کی تعداد سے بحساب ابجد معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کے رُو سے حضرت آدمؑ سے اب ساتواں ہزار بحساب قمری ہے۔ جو دنیا کے خاتمہ پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ حساب جو سورۃ والعصر کے حروف کے اعداد کے نکالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے حساب سے قریباً تمام کمال ملتا ہے صرف قمری اور شمسی حساب کو ملحوظ رکھ لینا چاہیئے۔ اور ان کی کتابوں سے پایا جاتا ہے۔ جو مسیح موعود کا چھٹے ہزار میں ضروری ہے۔ اور کئی برس ہو گئے۔ کہ چھٹا ہزار گذر گیا۔ منہ

مرہم عیسیٰ نے دی تھی محض عیسیٰ کو شفا
میری مرہم سے شفا پائے گا ہر ملک و دیار

جھانکتے تھے نور کو وہ روزنِ دیوار سے
لیک جب در کھل گئے پھر ہو گئے شپّر شعار

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے
اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امیدوار

پر ہوئے دیں کے لئے یہ لوگ مارِ آستیں
دشمنوں کو خوش کیا اور ہو گیا آزردہ یار

غل مچاتے ہیں کہ یہ کافر ہے اور دجّال ہے
پاک کو ناپاک سمجھے ہو گئے مُردار خوار

گو وہ کافر کہہ کے ہم سے دور تر ہیں جا پڑے
ان کے غم میں ہم تو پھر بھی ہیں حزین و دلفگار

ہم نے یہ مانا کہ ان کے دل ہیں پتھر ہو گئے
پھر بھی پتھر سے نکل سکتی ہے دینداری کی نار

کیسے ہی وہ سخت دل ہوں ہم نہیں ہیں نا امید
آیت لاتایئسوا رکھتی ہے دل کو استوار

پیش ہے رونا ہمارا پیشِ ربِّ ذوالمنن
یہ شجر آخر کبھی اس نہر سے لائیں گے بار

جن میں آیا ہے مسیح وقت وہ منکر ہوئے
مر گئے تھے اس تمنا میں خواص ہر دیار

میں نہیں جانتا کہ میری جاں ہے سب سے پاک تر
میں نہیں کہتا کہ یہ میرے عمل کے ہیں ثمار

میں نہیں رکھتا تھا اِس دعویٰ سے اک ذرّہ خبر
کھول کر دیکھو براہیں کو کہ تا ہو اعتبار

گر کہے کوئی کہ یہ منصب تھا شایانِ قریش
وہ خدا سے پوچھ لے میرا نہیں یہ کاروبار

مجھ کو بس ہے وہ خدا عہدوں کی کچھ پروا نہیں
ہو سکے تو خود بنو مہدی بحکمِ کردگار

افترا لعنت ہے اور ہر مفتری ملعون ہے
پھر لعیں وہ بھی ہے جو صادق سے رکھتا ہے نقار

تشنہ بیٹھے ہو کنارِ جُوئے شیریں حیف ہے
سرزمینِ ہند میں چلتی ہے نہرِ خوشگوار

ان نشانوں کو ذرا سوچو کہ کس کے کام ہیں
کیا ضرورت ہے کہ دکھلاؤ غضب دیوانہ وار

مفت میں ملزم خدا کے مت بنو اے منکرو!
یہ خدا کا ہے نہ ہے یہ مفتری کا کاروبار

یہ فتوحاتِ نمایاں یہ تواتر سے نشاں
کیا یہ ممکن ہیں بشر سے کیا یہ مکاروں کا کار

؎ اب تک کئی ہزار خدا تعالیٰ کے نشان میرے ہاتھ پر ظاہر ہو چکے ہیں۔ زمین نے بھی میرے لئے نشان دکھلائے اور آسمان نے بھی۔ اور دوستوں میں بھی ظاہر ہوئے اور دشمنوں میں بھی جن کے کئی لاکھ انسان گواہ ہیں۔ اور اگر ان نشانوں کو تفصیلاً جداً شمار کیا جائے تو تقریباً وہ سارے نشان دس لاکھ تک پہنچتے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک منہ

ایسی سرعت سے یہ شہرت ناگہاں سالوں کے بعد
کیا نہیں ثابت یہ کرتی صدقِ قولِ کردگار

کچھ تو سوچو ہوش کرکے کیا یہ معمولی بات ہے
جس کا چرچا کر رہا ہے ہر لب اور ہر دیار

مٹ گئے حیلے تمہارے ہو گئی حجت تمام
اب کہو کس پر ہوئی اے منکرو لعنت کی مار

بندۂ درگاہ ہوں اور بندگی سے کام ہے
کچھ نہیں ہے فتح سے مطلب نہ ذلت خوفِ یار

مت کرو ہٹ ایک ہیبت اسکی دلوں پر نظر ہے
دیکھتا ہے پاکیٔ دل کو نہ باتوں کی سنوار

کیسے پتھر پڑ گئے ہیہات ہے تمہاری عقل پر
دین ہے منہ میں گرگ کے تم گرگ کے خود پاسدار

ہر طرف سے پڑ رہے ہیں دینِ احمدؐ پر تبر
کیا نہیں تم دیکھتے قوموں کو اور ان کے وہ وار

کون سی آنکھیں جو اسکو دیکھ کر روتی نہیں
کون سے دل ہیں جو اس غم سے نہیں ہیں بیقرار

کھا رہا ہے دیں طمانچے ہاتھ سے قوموں کے آج
اک تزلزل میں پڑا اسلام کا عالی منار

یہ مصیبت کیا نہیں پہنچی خدا کے عرش تک
کیا یہ شمس الدیں نہاں ہو جائے گا اب زیرِ غار

جنگ روحانی ہے اب اس خادم و شیطان کا
دل گھٹا جاتا ہے یارب سخت ہے یہ کارزار

ہر نبیٔ وقت نے اس جنگ کی دی تھی خبر
کر گئے وہ سب دعائیں بادو چشمِ اشکبار

اے خدا شیطان پہ مجھکو فتح دے رحمت کے ساتھ
وہ اکٹھی کر رہا ہے اپنی فوجیں بے شمار

جنگ یہ بڑھ کر ہے جنگِ روس اور جاپان سے
میں غریب اور ہے مقابل حریفِ نامدار

دل نکل جاتا ہے قابو سے یہ مشکل سوچ کر
اے مری جاں کی پنہ فوجِ ملائک کو اتار

بسترِ راحت کہاں ان فکر کے ایام میں
غم سے ہر دن ہو رہا ہے بدتر از شبہائے تار

لشکرِ شیطاں کے نرغہ میں جہاں ہے گھر گیا
بات مشکل ہو گئی قدرت دکھا اے میرے یار

نسلِ انساں سے مدد اب مانگنا بیکار ہے
اب ہماری ہے تری درگاہ میں یارب پکار

کیوں کریں گے وہ مدد ان کو مدد سے کیا غرض
ہم تو کافر ہو چکے ان کی نظر میں بار بار

پر مجھے رہ رہ کے آتا ہے تعجب قوم سے
کیوں نہیں وہ دیکھتے جو ہو رہا ہے آشکار

شکر للہ میری بھی آہیں نہیں خالی گئیں
کچھ ہیں طاعوں کی صورت کچھ زلازل کے بخار

اک طرف طاعون خونی کھا رہا ہے ملک کو
ہو رہے ہیں صد ہزاراں آدمی اس کا شکار

دوسرے منگل کے دن آیا تھا ایسا زلزلہ
جس سے اک محشر کا عالم تھا بصد شور و پکار

ایک ہی دم میں ہزاروں اس جہاں سے چل دیئے
جسقدر گھر گر گئے ان کا کروں کیونکر شمار

یا تو وہ عالی مکاں تھے زینت و زیب جلوس
یا ہوئے اک ڈھیر اینٹوں کا پر از گرد و غبار

حشر جسکو کہتے ہیں ۔ اکدم میں برپا ہوگیا
ہر طرف میں مرگ کی آواز تھی اور اضطرار

دب گئے نیچے پہاڑوں کے کئی دیہات و شہر
مر گئے لاکھوں بشر اور ہوگئے دنیا سے پار

اس نشاں کو دیکھ کر پھر بھی نہیں ہیں نرم دل
بس خدا جانے کہ اب کس حشر کا ہے انتظار

وہ جو کہلاتے تھے صوفی کیں میں سب سے بڑھکر
کیا یہی عادت تھی شیخ غزنوی کی یادگار؟

کہتے ہیں لوگوں کو ہم بھی زبدۃ الابرار ہیں
پڑتی ہے ہم پر بھی کچھ کچھ وحیٔ رحماں کی پھوار

پھر وہی نافہم ملہم اوّل الاعدا ہوئے
آگیا چرخ بریں سے ان کو تکفیر دل کا "تار"

سب نشاں بیکار ان کے بغض کے آگے ہوئے
ہوگیا تیر تعصب ان کے دل میں وار پار

دیکھتے ہرگز نہیں قدرت کو اس ستار کی
گو سنا ویں ان کو وہ اپنی بجا نے ہیں شار

صوفیا اب بیچ ہے تیری طرح تیری نراہ
آسماں سے آگئی میری شہادت بار بار

قدرت حق ہے کہ تم بھی میرے دشمن ہوگئے
یا محبت کے وہ دن تھے یا ہوا ایسا نقار

دھو دیئے دل سے وہ سارے صحبت دیرینہ کے رنگ
پھول بن کر ایک مدت تک ہوئے ہم خر کو خار

جسقدر نقد تعارف تھا وہ کھو بیٹھے تمام
آہ کیا یہ دل میں گزرا ہوں اس سے دلفگار

آسماں پر شور ہے پر کچھ نہیں تم کو خبر
دن تو روشن تھا مگر ہے بڑھ گئی تاریک و تار

قرآن کریم کے زندہ کلام ہونے اور اپنے دعاوی کی صداقت پر دلائل قویہ

ہے شکر رب عزّ و جل خارج از بیاں
جس کے کلام سے ہمیں اسکا ملا نشاں

وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں
ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں

اس سے ہمارا پاک دل و سینہ ہوگیا
وہ اپنے منہ کا آپ ہی آئینہ ہوگیا

اس نے درختِ دل کو معارف کا پھل دیا　　ہر سینہ شک سے دھو دیا ہر دل بدل دیا

اس سے خدا کا چہرہ نمودار ہو گیا　　شیطاں کا مکر و وسوسہ بیکار ہو گیا

وہ رہ جو ذاتِ عزّ و جل کو دکھاتی ہے　　وہ رہ جو دل کو پاک و مطہر بناتی ہے

وہ رہ جو یارِ گم شدہ کو کھینچ لاتی ہے　　وہ رہ جو جامِ پاک یقیں کا پلاتی ہے

وہ رہ جو اس کے ہونے پہ محکم دلیل ہے　　وہ رہ جو اس کے پانے کی کامل سبیل ہے

اس نے ہر ایک کو وہی رستہ بتا دیا　　جتنے شکوک و شبہ تھے سب کو مٹا دیا

افسردگی جو سینوں میں تھی دور ہو گئی!　　ظلمت جو تھی دلوں میں وہ سب نور ہو گئی

جو دور تھا خزاں کا وہ بدلا بہار سے　　چلنے لگی نسیمِ عنایات یار سے

جاڑے کی رت ظہور سے اسکے پلٹ گئی　　عشقِ خدا کی آگ ہر اک دل میں اٹھ گئی

جتنے درخت زندہ تھے وہ سب ہوئے ہرے　　پھل اس قدر پڑا کہ وہ میووں سے لد گئے

موجوں سے اس کی پردے وساوس کے پھٹ گئے　　جو کفر اور فسق کے ٹیلے تھے کٹ گئے

قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے　　بے اس کے معرفت کا چمن نا تمام ہے

جو لوگ شک کی سردیوں سے تھرتھراتے ہیں　　اس آفتاب سے وہ عجب دھوپ پاتے ہیں

دنیا میں جس قدر ہے مذاہب کا شور و شر　　سب قصہ گو ہیں نور نہیں ایک ذرہ بھر

پر یہ کلام نورِ خدا کو دکھاتا ہے　　اس کی طرف نشانوں کے جلوے سے لاتا ہے

جس دیں کا صرف قصوں پہ سارا مدار ہے　　وہ دیں نہیں ہے ایک فسانہ گذار ہے

سچ پوچھیے تو قصوں کا کیا اعتبار ہے　　قصوں میں جھوٹ اور خطا بے شمار ہے

ہے دیں وہی کہ صرف وہ اک قصہ گو نہیں　　زندہ نشانوں سے ہے دکھاتا رہ یقیں

ہے دیں وہی کہ جس کا خدا آپ ہو عیاں　　خود اپنی قدرتوں سے دکھائے کہ ہے کہاں

جو معجزات سنتے ہو قصوں کے رنگ میں　　ان کو تو پیش کرتے ہیں سب بحث و جنگ میں

جتنے ہیں فرقے سب کا یہی کاروبار ہے　　قصوں میں معجزوں کا بیاں بار بار ہے

پر اپنے دیں کا کچھ دکھاتے نہیں نشاں　　گویا وہ ربِ ارض و سما اب ہے ناتواں

گویا اب اس میں طاقت و قدرت نہیں رہی　　وہ سلطنت وہ زور وہ شوکت نہیں رہی

یا یہ کہ اب خدا میں وہ رحمت نہیں رہی
نیت بدل گئی ہے وہ شفقت نہیں رہی

ایسا گماں خطا ہے کہ وہ ذاتِ پاک ہے
ایسے گماں کی نوبت آخر ہلاک ہے۔

سچ ہے یہی کہ ایسے مذاہب ہی مر گئے
اب ان میں کچھ نہیں ہے کہ جاں سے گذر گئے

پابند ایسے دینوں کے دنیا پرست ہیں
غافل ہیں ذوقِ یار سے دنیا میں مست ہیں

مقصود ان کا جینے سے دنیا کمانا ہے۔
مومن نہیں ہیں وہ کہ قدم فاسقانہ ہے

تم دیکھتے ہو کیسے دلوں پر ہیں انکے زنگ
دنیا ہی ہو گئی ہے غرض دیں سے آئے تنگ

وہ دیں ہی چیز کیا ہے کہ جو رہنما نہیں
ایسا خدا ہے اسکا کہ گویا خدا نہیں

پھر اس سے سچی راہ کی عظمت ہی کیا رہی
اور خاص وجہِ صفوتِ ملّت کی کیا رہی

نورِ خدا کی اس میں علامت ہی کیا رہی
توحید خشک رہ گئی نعمت ہی کیا رہی

اگر سنو! کہ زندہ خدا وہ خدا نہیں
جس میں ہمیشہ عادتِ قدرت نما نہیں

مردہ پرست ہیں وہ جو قصہ پرست ہیں
پس اس لئے وہ موردِ ذل و شکست ہیں

بن دیکھے دل کو دوستو پڑتی نہیں ہے کل
قصوں سے کیسے پاک ہو یہ نفسِ پُر خلل

کچھ کم نہیں یہودیوں میں یہ کہانیاں
پر دیکھو کیسے ہو گئے شیطاں سے ہم عناں

ہر دم نشانِ تازہ کا محتاج ہے بشر
قصوں کے معجزات کا ہوتا ہے کب اثر؟

کیونکر ملے فسانوں سے وہ دلبرِ ازل
گر اک نشاں ہو ملتا ہے سب زندگی کا پھل

قصوں کا یہ اثر ہے کہ دل پُر فساد ہے
ایماں زباں پہ سینہ میں حق سے عناد ہے

دنیا کی حرص و آز میں یہ دل ہیں مر گئے
غفلت میں ساری عمر بسر اپنی کر گئے

اے سونے والو جاگو کہ وقتِ بہار ہے
اب دیکھو آکے در پہ ہمارے وہ یار ہے

کیا زندگی کا ذوق اگر وہ نہیں ملا
لعنت ہے ایسے جینے پہ گر اس سے ہیں جدا

اس رخ کو دیکھنا ہی تو ہے اصل مدعا
جنت بھی ہے یہی کہ ملے یارِ آشنا

اے حبِ جاہ والو! یہ رہنے کی جا نہیں
اس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں

دیکھو تو جا کے ان کے مقابر کو اک نظر
سوچو کہ اب سلف ہیں تمہارے گئے کدھر

اک دن وہی مقام تمہارا مقام ہے
اک دن یہ صبحِ زندگی کی تم پہ شام ہے

اک دن تمہارا لوگ جنازہ اٹھائیں گے ۔
پھر دفن کرکے گھر میں تاسف سے آئیں گے

اے لوگو! عیشِ دنیا کو ہرگز وفا نہیں
کیا تم کو خوفِ مرگ و خیالِ فنا نہیں

سوچو کہ باپ دادے تمہارے کدھر گئے
کس نے بلا لیا وہ سبھی کیوں گذر گئے

وہ دن بھی ایک دن تمہیں یارو نصیب ہے
خوش مت رہو کہ کوچ کی نوبت قریب ہے

ڈھونڈو وہ راہ جس سے دل و سینہ پاک ہو
نفسِ دنی خدا کی اطاعت میں خاک ہو

ملتی نہیں عزیزو فقط قصوں سے یہ راہ
وہ روشنی نشانوں سے آتی ہے گاہ گاہ

وہ لغو دیں ہے جس میں فقط قصہ جات ہیں
ان سے رہیں الگ جو سعید الصفات ہیں

صد حیف اس زمانہ میں قصوں پہ ہے مدار
قصوں پہ سارا دیں کی سچائی کا انحصار

پر نقدِ معجزات کا کچھ بھی نشاں نہیں
پس یہ خدائے قصہ خدائے جہاں نہیں

دنیا کو ایسے قصوں نے یکسر تبہ کیا
مشرک بناکے کفر دیا رو سیہ کیا

جس کو تلاش ہے کہ ملے اس کو کردگار
اسکے لئے حرام جو قصوں پہ ہو نثار

اسکا تو فرض ہے کہ وہ ڈھونڈے خدا کا نور
تا ہووے شک و شبہ سبھی اس کے دل سے دور

تا اسکے دل پہ نورِ یقیں کا نزول ہو ،
تا وہ جناب عز و جل میں قبول ہو

قصوں سے پاک ہونا کبھی کیا مجال ہے
سچ جانو یہ طریق سراسر محال ہے

قصوں سے کب نجات ملے ہے گناہ سے
ممکن نہیں وصالِ خدا ایسی راہ سے

مردہ سے کب امید کہ وہ زندہ کر سکے
اس سے تو خود محال کہ رہ بھی گذر سکے

وہ رہ جو ذاتِ عز و جل کو دکھاتی ہے
وہ رہ جو دل کو پاک و مطہر بناتی ہے

وہ رہ جو یارِ گم شدہ کو ڈھونڈ لاتی ہے
وہ رہ جو جامِ پاکِ یقیں کا پلاتی ہے

وہ تازہ قدرتیں جو خدا پر دلیل ہیں
وہ زندہ طاقتیں جو یقیں کی سبیل ہیں ۔

ظاہر ہے یہ کہ قصوں میں ان کا اثر نہیں
افسانہ گو کو راہِ خدا کی خبر نہیں

اس بے نشاں کی چہرہ نمائی نشاں سے ہے
سچ ہے کہ سب ثبوتِ خدائی نشاں سے ہے

کوئی بتائے ہم کو کہ غیروں میں یہ کہاں
قصوں کی چاشنی میں حلاوت کا کیا نشاں

یہ ایسے مذہبوں میں کہاں ہے دکھایئے
ورنہ گزاف قصوں پہ ہرگز نہ جائیے

جب سے کہ تقوے ہو گئے مفقود راہ میں
آگے قدم ہے قوم کا ہر دم گناہ میں

تم دیکھتے ہو قوم میں عفت نہیں رہی
وہ صدق و صفا وہ طہارت نہیں رہی

مومن کے جو نشان ہیں وہ حالت نہیں رہی
اس یار بے نشاں کی محبت نہیں رہی

اک سیل چل رہا ہے گناہوں کا زور سے
سنتے نہیں ہیں کچھ بھی معاصی کے شور سے

کیوں بڑھ گئے زمیں پہ بُرے کام اس قدر
کیوں ہو گئے عزیزو یہ سب لوگ کور و کر

کیوں اب تمہارے دل میں وہ صدق و صفا نہیں
کیوں اس قدر ہے فسق کہ خوف و حیا نہیں

کیوں زندگی کی چال سبھی فاسقانہ ہے
کچھ اک نظر کرو کہ یہ کیسا زمانہ ہے

اس کا سبب یہی ہے کہ غفلت ہی چھا گئی
دنیائے دنی کی دل میں محبت سما گئی

تقوے کے جامے جتنے تھے سب چاک ہو گئے
جتنے خیال دل میں تھے ناپاک ہو گئے

ہر دم کے خبث و فسق سے دل پر پڑے حجاب
آنکھوں سے ان کی چھپ گیا ایماں کا آفتاب

جس کو خدائے عزوجل پر یقیں نہیں
اس بدنصیب شخص کا کوئی بھی دیں نہیں

پر وہ سعید جو کہ نشانوں کو پاتے ہیں
وہ اس سے مل کے دل کو اسی سے ملاتے ہیں

وہ اس کے ہو گئے ہیں اسی سے وہ جیتے ہیں
ہر دم اسی کے ہاتھ سے اک جام پیتے ہیں

جس مے کو پی لیا ہے وہ اس مے سے مست ہیں
سب دشمن ان کے، ان کے مقابل میں پست ہیں

کچھ ایسے مست ہیں وہ رخ خوب یار سے
ڈرتے کبھی نہیں ہیں وہ دشمن کے وار سے

ان سے خدا کے کام سبھی معجزانہ ہیں
یہ اس لئے کہ عاشق یار یگانہ ہیں

ان کو خدا نے غیروں سے بخشی ہے امتیاز
ان کے لئے نشاں کو دکھاتا ہے کارساز

جب دشمنوں کے ہاتھوں سے وہ تنگ آتے ہیں
جب بدشعار لوگ انہیں کچھ ستاتے ہیں

جب ان کے مارنے کے لئے چال چلتے ہیں
جب ان سے جنگ کرنے کو باہر نکلتے ہیں

تب وہ خدائے پاک نشاں کو دکھاتا ہے
غیروں پہ اپنا رعب نشاں سے جماتا ہے

کہتا ہے یہ تو بندۂ عالی جناب ہے
مجھ سے لڑو اگر نہیں لڑنے کی تاب ہے

اس ذاتِ پاک سے جو کوئی دل لگاتا ہے
آخر وہ اس کے رحم کو ایسا ہی پاتا ہے۔

جن کو نشانِ حضرتِ باری ہوا نصیب
وہ اس جناب پاک سے ہر دم ہوئے قریب

کھنچے گئے کچھ ایسے کہ دنیا سے ہو گئے
پھر ایسا گر دیکھا کہ اس کے ہی ہو گئے

بن دیکھے کیسے پاک ہو انساں گناہ سے
اس چاہ سے نکلتے ہیں لوگ اس کی چاہ سے

تصویر شیر سے نہ ڈرے کوئی گوسفند
نَے مارِ مردہ سے ہے کچھ اندیشۂ گزند

پھر وہ خدا جو مُردہ کی مانند ہے پڑا
بس کیا امید ایسے سے اور خوف اس سے کیا

شوخی و کبر دیو لعیں کا شعار ہے
آدم کی نسل وہ ہے جو وہ خاکسار ہے

اے کرمِ خاک چھوڑ دے کبر و غرور کو
زیبا ہے کبر حضرتِ ربِّ غیور کو

بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں

چھوڑو غرور و کبر کہ تقویٰ اسی میں ہے
ہو جاؤ خاک مرضیٔ مولیٰ اسی میں ہے

تقوے کی جڑ خدا کے لئے خاکساری ہے
عفت جو شرط دیں ہے وہ تقویٰ میں ساری ہے

جو لوگ بدگمانی کو شیوہ بناتے ہیں
تقوے کی راہ سے وہ بہت دور جاتے ہیں

بے احتیاط ان کی زباں وار کرتی ہے
اک دم میں اس علیم کو بیزار کرتی ہے

اک بات کہہ کے اپنے عمل سارے کھوتے ہیں
پھر شوخیوں کا بیج ہر اک وقت بوتے ہیں

کچھ ایسے سو گئے ہیں ہمارے یہ ہم وطن
اُٹھتے نہیں ہیں ہم نے تو سو سو کئے جتن

سب عضو سست ہو گئے غفلت ہی چھا گئی
قوت تمام نوکِ زباں میں ہی آ گئی

یا بد زباں دکھاتے ہیں یا وہ بدگماں
باقی خبر نہیں ہے کہ اسلام ہے کہاں

تم دیکھ کر بھی بد کو بچو بدگمان سے
ڈرتے رہو عقابِ خدائے جہان سے

شاید تمہاری آنکھ ہی کر جائے کچھ خطا
شاید وہ بد نہ ہو جو تمہیں ہے وہ بدنما

شاید تمہاری فہم کا ہی کچھ قصور ہو
شاید وہ آزمائشِ ربِّ غفور ہو

پھر تم تو بدگمانی سے اپنی ہوئے ہلاک
خود سر پہ اپنے لے لیا خشمِ خدائے پاک

گر ایسے تم دلیریوں میں بے حیا ہوئے
پھر اتقا کے سوچو تو معنی ہی کیا ہوئے

موسیٰ بھی بدگمانی سے شرمندہ ہو گیا
قرآں میں خضر نے جو کیا تھا پڑھو ذرا

بندوں میں اپنے بھید خدا کے ہیں صد ہزار
تم کو نہ علم ہے نہ حقیقت ہے آشکار

پس تم تو ایک بات کے کہنے سے مر گئے
یہ کیسی عقل تھی کہ براہِ خطر گئے

بدبخت تر تمام جہاں سے وہی ہوا — جو ایک بات کہہ کے ہی دوزخ میں جا گرا
پس تم بچاؤ اپنی زباں کو فساد سے — ڈرتے رہو عقوبت رب العباد سے
دو عضو اپنے جو کوئی ڈر کر بچائے گا — سیدھا خدا کے فضل سے جنت میں جائیگا
وہ اک زباں ہے عضو نہاں ہے دوسرا — یہ ہے حدیث سید نا سید الورا ہے
پر وہ جو مجکو کاذب و مکار کہتے ہیں — اور مفتری و کافر و بدکار کہتے ہیں
ان کے لئے تو بس ہے خدا کا یہی نشاں — یعنی وہ فضل اسکے جو مجھ پر ہیں ہر زماں
دیکھو خدا نے ایک جہاں کو جھکا دیا — گمنام پاکے شہرۂ عالم بنا دیا
جو کچھ مری مراد تھی سب کچھ دکھا دیا — میں اک غریب تھا مجھے بے انتہا دیا
دنیا کی نعمتوں سے کوئی بھی نہیں رہی — جو اس نے مجکو اپنی عنایات سے نہ دی
ایسے بدوں سے اسکے ہوں ایسے معاملات — کیا یہ نہیں کرامت و عادت سے بڑھکے بات
جو مفتری ہے اس سے یہ کیوں التفات ہے — کوں کو نظیر ایسی عنایت کی یاد ہے.
مجھ پر ہر اک نے وار کیا اپنے رنگ میں — آخر ذلیل ہو گئے انجام جنگ میں
ان کینوں میں کسیکو بھی ارماں نہیں رہا — سب کی مراد تھی کہ میں دیکھوں رہ فنا
تھے چاہتے کہ مجکو دکھائیں عدم کی راہ — یا حاکموں سے مجکو پھانسی دلا کر کریں تباہ
یا کم سے کم یہ ہو کہ میں زنداں میں جا پڑوں — یا یہ کہ ذلتوں سے میں ہو جاؤں سرنگوں
یا مخبری سے ان کی کوئی اور ہی بلا — آجائے مجھ پہ یا کوئی مقبول ہو دعا
پس ایسے ہی ارادوں سے کر کے مقدمات — چاہا گیا کہ دن مرا ہو جائے مجھ پہ رات
کوشش بھی وہ ہوئی کہ جہاں میں نہ ہو کبھی — پھر اتفاق وہ کہ زماں میں نہ ہو کبھی
مجکو ہلاک کرنے کو سب ایک ہو گئے — سمجھا گیا میں بد پہ وہ سب نیک ہو گئے
آخر کو وہ خدا جو کریم و قدیر ہے — جو عالم القلوب و علیم و خبیر ہے
اترا مری مدد کے لئے کر کے عہد یاد — پس رہ گئے وہ سارے سیہ روئی و نامراد
کچھ ایسا فضل حضرت رب الورا ہوا — سب دشمنوں کے دیکھ کے اوساں خطا ہوئے
اک قطرہ اس کے فضل نے دریا بنا دیا — میں خاک تھا اسی نے ثریا بنا دیا
میں تھا غریب و بے کس و گمنام بے ہنر — کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر

لوگوں کی اِس طرف کو ذرا بھی نظر نہ تھی
میرے وجود کی بھی کسی کو خبر نہ تھی

اب دیکھتے ہو کیسا رجوعِ جہاں ہوا
اک مرجعِ خواص یہی قادیاں ہوا

پر پھر بھی جن کی آنکھ تعصب سے بند ہے
ان کی نظر میں حال مرا ناپسند ہے

ہیں مفتری ہوں ان کی نگاہ و خیال میں
دنیا کی خیر ہے مری موت و زوال میں

لعنت ہے مفتری پہ خدا کی کتاب میں
عزت نہیں ہے ذرہ بھی اس کی جناب میں

توریت میں بھی نیز کلامِ مجید میں
لکھا گیا ہے رنگِ وعیدِ شدید میں

کوئی اگر خدا پہ کرے کچھ بھی افترا
ہوگا وہ قتل ہے یہی اس جرم کی سزا

پھر یہ بھی عجیب غفلتِ ربِّ قدیر ہے
دیکھے ہے ایک کو کہ وہ ایسا شریر ہے

پچیس سال سے ہے وہ مشغولِ افترا
ہر دن ہر ایک رات یہی کام ہی رہا

ہر روز اپنے دل سے بناتا ہے ایک بات
کہتا ہے یہ خدا نے کہا مجھ کو آج رات

پھر بھی وہ ایسے شوخ کو دیتا نہیں سزا
گویا نہیں ہے یاد جو پہلے سے کہہ چکا

پھر یہ عجیب تر ہے کہ جب حامیانِ دیں
ایسے کے قتل کرنے کو فاعل ہوں یا معیں

کرتا نہیں ہے ان کی مدد وقتِ انتظام
تا مفتری کے قتل سے قصہ ہی ہو تمام

الٹا تو اس کا وعدہ رہا سارا طاق پر
اور دل کی سعی و جہد پہ بھی کچھ نہیں نظر

کیا وہ خدا نہیں ہے جو فرقاں کا ہے خدا
پھر کیوں وہ مفتری سے کرے اس قدر وفا

آخر یہ بات کیا ہے کہ ہے ایک مفتری
کرتا ہے ہر مقام میں خدا اس کی یاوری

جب دشمن اس کو پیچ میں کوشش سے لاتے ہیں
کوشش بھی اس قدر کہ وہ بس مر ہی جاتے ہیں

اک اتفاق کر کے وہ باتیں بناتے ہیں
سو جھوٹ اور فریب کی وہ تہمت لگاتے ہیں

پھر بھی وہ نامراد مقاصد میں رہتے ہیں
جاتا ہے بے اثر وہ جو سو بار کہتے ہیں

ذلت ہیں چاہتے یہاں اکرام ہوتا ہے
کیا مفتری کا ایسا ہی انجام ہوتا ہے

اے قوم کے سر آمدہ اے حامیانِ دیں
سوچو کہ کیوں خدا انہیں دیتا مدد نہیں

تم میں نہ رحم ہے نہ عدالت نہ اتقا
پس اس سبب سے ساتھ تمہارے نہیں خدا

ہوگا تمہیں کلارک کا بھی وقت خوب یاد
جب مجھ پہ کی تھی تہمتِ خوں از رہِ فساد

جب آپ لوگ اس سے ملے تھے بدیں خیال
تا آپ کی مدد سے اسے سہل ہو جدال

پر وہ خدا جو عاجز و مسکین کا ہے خدا
حاکم کے دل کو میری طرف اس نے کر دیا

تم نے تو مجھ کو قتل کرانے کی ٹھانی تھی
یہ بات اپنے دل میں بہت سہل جانی تھی

تھے چاہتے کہ صلیب پہ یہ شخص کھینچا جائے
تا تم کو ایک فخر سے یہ بات ہاتھ آئے

جھوٹا تھا مفتری تھا۔ تبھی یہ ملی سزا
آخر میری مدد کے لئے خود اٹھا خدا

ڈگلس پہ سارا حال براءت کا کھل گیا
عزت کے ساتھ تب میں وہاں سے بری ہوا

الزام مجھ پہ قتل کا تھا سخت تھا یہ کام
تھا اک پادری کی طرف سے یہ اہتمام

جتنے گواہ تھے وہ تھے سب میرے برخلاف
اک مولوی بھی تھا جو یہی مارتا تھا لاف

دیکھو یہ شخص اب تو سزا اپنی پائے گا
اب بن سزا کے سخت یہ بچ کر نہ جائے گا۔

اتنی شہادتیں ہیں کہ اب کھل گیا قصور
اب قید ہے یا صلیب ہے اک بات ہے ضرور

بعضوں کو بد دعا میں بھی تھا ایک انہماک
اتنی دعا کہ گھس گئی سجدے میں انکی ناک

القصہ جہد کی نہ رہی کچھ بھی انتہا۔
اک سو تھا مکر ایک طرف سجدہ و دعا

آخر خدا نے دی مجھے اس آگ سے نجات
دشمن تھے جتنے ان کی طرف کی نہ التفات

کیسا یہ فضل اس سے نمودار ہو گیا
اک مفتری کا وہ بھی مددگار ہو گیا

اس کا تو فرض تھا کہ وہ وعدہ کو کر کے یاد
خود مارتا وہ گردن کذاب بدنہاد

گر اس سے رہ گیا تھا کہ وہ خود دکھائے ہاتھ
اتنا تو سہل تھا کہ تمہارا بٹائے ہاتھ

یہ بات کیا ہوئی کہ وہ تم سے الگ رہا
کچھ بھی مدد نہ کی نہ سنی کوئی بھی دعا

جو مفتری تھا اس کو تو آزاد کر دیا
سب کام اپنی قوم کا برباد کر دیا۔

سب جد و جہد و سعی اکارت چلی گئی
کوشش تھی جسقدر وہ بغارت چلی گئی

کیا "راستی کی فتح" نہیں وعدۂ خدا
دیکھو تو کھول کر سخن پاک کبریا

پھر کیوں یہ بات میری ہی نسبت پلٹ گئی
یا خود تمہاری چادر تقوی ہی پھٹ گئی

کیا یہ عجب نہیں کہ جب تم ہی یار ہو
پھر میرے فائدہ کا ہی سب کاروبار ہو

پھر یہ نہیں کہ ہو گئی ہے صرف ایک بات
پاتا ہوں ہر قدم میں خدا کے تفضلات

دیکھو وہ بھین کا شخص کرم دین ہے جسکا نام
لڑنے میں جس نے نیند بھی اپنے پہ کی حرام

جس کی مدد کے واسطے لوگوں میں جوش تھا
جس کا ہر ایک دشمن حق عیب پوش تھا

جس کا رفیق ہوگیا ہر ظالم و غوی
جس کی مدد کے واسطے آئے تھے مولوی

انہیں سے ایسے تھے کہ جو بڑھ بڑھ کے آتے تھے
اپنا بیاں لکھانے میں کرتب دکھاتے تھے

ہشیاری ستغیث بھی اپنی دکھاتا تھا
سو سو خلاف واقعہ باتیں بناتا تھا

پر اپنے بدعمل کی سزا کو وہ پاگیا
ساتھ اس کے یہ کہ نام بھی کاذب رکھا گیا

کذاب نام اس کا دفاتر میں رہ گیا
چالاکیوں کا فخر جو رکھتا تھا بہ گیا

اے ہوش و عقل والو یہ عبرت کا ہے مقام
چالاکیاں تو ہیچ ہیں تقویٰ سے ہو دیں کا کام

جو متقی ہے اس کا خدا خود نصیر ہے
انجام فاسقوں کا عذاب سعیر ہے

جڑھ ہے ہر ایک خیر و سعادت کی اتقا
جسکی یہ جڑھ رہی ہے عمل اس کا سب رہا

مومن ہی فتح پاتے ہیں انجام کار میں
ایسا ہی پاؤ گے سخن کردگار میں

کوئی بھی مفتری ہمیں دنیا میں اب دکھا
جس پر یہ فضل ہو یہ عنایات یہ عطا

اس بد عمل کی قتل سزا ہے نہ یہ کہ پیت
پس کسطرح خدا کو پسند آگئی یہ ریت

کیا تھا یہی معاملہ پاداش افترا
کیا مفتری کے بارے میں وعدہ یہی ہوا

کیوں ایک مفتری کا وہ ایسا ہے آشنا
یا بے خبر ہے عیب سے دھوکے میں آگیا

آخر کوئی تو بات ہے جس سے ہوا وہ یار
بدکار سے تو کوئی بھی کرتا نہیں ہے پیار

تم بدنیا کے پھر بھی گرفتار ہو گئے
یہ بھی تو ہیں نشان جو نمودار ہو گئے

تاہم وہ دوسرے بھی نشاں ہیں ہمارے پاس
لکھتے ہیں اب خدا کی عنایت سے بے ہراس

جس دل میں رچ گیا ہے محبت سے اسکا نام
وہ خود نشان ہے نیز نشاں سارے اس کے کام

کیا کیا نہ ہم نے نام رکھائے زمانہ سے
مردوں سے نیز فرقۂ نادان زنانہ سے

انکے گماں میں ہم بد و بدحال ہو گئے
ان کی نظر میں کافر و دجال ہو گئے

ہم مفتری بھی بن گئے ان کی نگاہ میں
بیدیں ہوئے فساد کیا حق کی راہ میں

پر ایسے کفر پر تو فدا ہے ہماری جاں
جس سے ملے خدائے جہان و جہانیاں

لعنت ہے ایسے دیں پہ کہ اس کفر سے ہے کم
سو شکر ہے کہ ہو گئے غالب کے یار ہم

ہوتا ہے کردگار اسی رہ سے دستگیر
کیا جانے قدر اس کا جو قصوں میں ہے اسیر

وہی خدا اسی رہ فرخ سے پاتے ہیں
دلبر کا بانکپن بھی اسی سے دکھاتے ہیں

اے مدعی نہیں ہے تیرے ساتھ کردگار
یہ کفر تیرے دیں سے ہے بہتر ہزار بار

[illegible]